© rasailojaraid.com

قرآن سے استفادہ میں کوتاہیاں

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

تہذیب: پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

قرآن مجید کے معاملہ میں چند کوتاہیاں کی جارہی ہیں۔ایک یہ کہ بعض لوگ تو اس کے پڑھنے کو قابل اہتمام نہیں سمجھتے، پھر ان میں بھی دو گروہ ہیں۔ایک یہ کہ ان کا عدم اہتمام محض عملاً ہے۔ یعنی اس کا استحسان یا نافع ہونا تو ان کے اعتقاد میں ہے مگر بوجہ غفلت کو اشتغال یا دوسری حاجات معاشیہ سبب کے اس کو حاصل نہیں کرتے، نہ اپنی اولاد کے لئے اس کی سعی کرتے ہیں اور اس گروہ کی حالت ایک درجہ میں اخف ہے کیوں کہ یہ لوگ ایک امر نافع کے تارک ہیں، کسی امر مضر کے مباشرو مرتکب نہیں، کیوں کہ پورے قرآن کا پڑھنا مجموع امت کے اعتبار سے بغرض اس کی حفاظت کے فرض کفایہ ہے، البتہ قدر ما یجوزبه الصلوة فرض عین ہے۔اور قدر مایتادی به واجب القراة واجب علی العین ہے۔تو یہ لوگ کسی فرض یا واجب علی العین کے تارک نہیں ہوئے۔ گویا ایک برکت سے محروم ہیں اسی وجہ سے ہم نے اس کو، کوتاہی کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

مکاتب قرآن کی ضرورت اور چندے کے آداب

علاج یہ ہے کہ ان لوگوں کو متوجہ کیا جائے۔اور جتنا ان کا خرچ دنیوی سمجھا جائے کسی قدر امداد مالی سے اس کا تدارک کیا جائے۔کم از کم ان بچوں ہی کو خوراک و پوشاک کے لئے وظیفہ دیا جائے۔اور ہر بڑے گاؤں میں ایک ایک مکتب قرآن مجید کا قائم کیا جائے اور گردونواح کے دیہات کے بچوں کو اس میں تعلیم دی جائے۔

بڑوں کو بھی جب فرصت میسر ہو، تھوڑا وقت اس میں دیا جائے۔یہ ممکن ہے کہ جتنوں نے شروع کیا ہے بوجہ قلت مناسبت کے یا بسبب عروض وعوارض کے سب ختم نہ کرسکیں۔لیکن تاہم ایک عدد عظیم ختم کرنے والوں کا اس سے بھی حاصل ہوجائے گا اور ایسے مکتبوں کا چوں کہ خرچ زیادہ نہ ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لئے بیرونی امداد کی طرف مضطر نہ ہوں گے، ہر جگہ کے مکتب کے لئے خود وہاں کے چند صاحبوں کی امداد کافی ہوسکتی ہے مگر اس امداد سے اس کا لحاظ رہے کہ کسی شخص پر دباؤ ڈال کر یا شرما کر اس سے وصول نہ کیا جائے کہ علاوہ خلاف دین ہونے کے اور بے برکتی کے ایسے چندوں کو ثبات بھی نہیں ہوتا۔

دوسرا گروہ وہ ہے کہ ان کے اس عدم اہتمام کا منشاء سوء اعتقاد ہے یعنی تحصیل الفاظ کو ایک فضول ولایعنی حرکت بلکہ معاش میں مخل سمجھ کر مضر جانتے ہیں اور پڑھنے والوں کو احمق اور تاریک دماغ خیال کرتے ہیں۔اور دوسروں کو بھی تلبیس میں ڈالتے ہیں۔

کوئی صاحب کہتے ہیں کہ جب معنی نہ سمجھے تو طوطے کی طرح پڑھنے سے کیا فائدہ؟

کوئی صاحب کہتے ہیں کہ جب دو سال اس میں صرف ہو گئے یا حفظ کرنے میں کرنے میں دماغ صرف ہو گیا، پھر علوم معاش کے لئے وقت میں کوئی گنجائش نہیں ہوگی یا اس میں دماغ کام نہ کرے گا۔کوئی صاحب کہتے ہیں کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھانے میں اس کی بے حرمتی ہوتی ہے۔لڑکے بے وضو ہاتھ لگاتے ہیں۔سپارے پھاڑتے ہیں کہیں بے تعظیمی سے رکھ دیتے ہیں۔اس لئے ادب کا مقتضاء یہ ہے کہ ان کو پڑھایا نہ جائے۔اس قسم کی باتیں اہل فریب تراشتے ہیں۔

یہ حضرات غور فرمائیں کہ فضول اس کو کہتے ہیں، جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔اور جو شخص خدا کو خدا، رسول کو رسول اور دونوں کے کلام کو صادق مانتا ہے وہ اس کا انکار نہیں کرسکتا ہے کہ فائدہ منحصر نہیں ہے، پھر محض اس کے انتفاء سے مطلق کا انتفاء کیسے لازم آیا؟ یہ مسئلہ عقلیہ ہے۔کہ خاص کا انتفاء مستلزم نہیں ہوتا عام کے انتفاء کو۔

ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں

جب مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے کلام سے ثابت ہے کہ خالی الفاظ پڑھنے سے بھی ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور ثابت ہے کہ خالی الفاظ کا پڑھنا بھی اعظم سبب ہے، حق تعالیٰ کی توجہ اور قرب کا، تو کیوں نہ پڑھا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہاں! کوئی نیکیوں اور حق تعالیٰ کی توجہ اور قرب ہی کو فضول شمار کرے تو اس مقام پر اس سے گفتگو نہیں ہے۔ مخاطب خاص وہ شخص ہے جو خدا اور رسول کی عظمت اور صدق کا قائل ہو۔ قرآن کہتا ہے قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا: ﴿هذا الذی کنتم به تکذبون﴾ (۱) یہ ہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

احمق کون؟

یہ حضرات غور فرمائیں کہ اب پڑھنے والے احمق ہوئے یا ان کو احمق کہنے والے؟ اور اگر اب بھی سمجھ نہ آیا ہو تو بس یہ کہہ کر بات کو ختم کیا جائے ان تسخر وامنا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیه عذاب یخزیه ویحل علیه عذاب مقیم (۲) یعنی اگر تم ہنستے ہو ہم سے، تو ہم ہنستے ہیں تم۔ جیسے تم ہنستے ہو۔ اب جلد جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب، کہ رسواء کرے اس کو اور اترتا ہے اس پر عذاب دائمی۔

یہ حضرات غور فرمائیں کہ جب الفاظ کا فائدہ وعلاوہ معانی کے فائدہ کے مستقل بھی ہے تو پھر اس کو طوطے کی سی پڑھائی کہنا کیسے صحیح ہے؟ ہم نے بہت سے انگریزی طالب علم دیکھے ہیں کہ وہ اقلیدس کی کسی شکل کا ثبوت نہیں سمجھتے مگر پھر بھی اس امید پر عبارت یاد کر لیتے ہیں، کہ امتحان میں عبارت لکھ دیں گے چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے ہیں، اور پاس ہو جاتے ہیں۔ چوں کہ سمجھنے کی علاوہ اس پر بھی یہ فائدہ خاص، پاس ہو جانے کا مرتکب ہوتا ہے۔ ہم نے کسی کو اس پر بیکار ہونے کا حکم لگاتے نہیں دیکھا۔ پھر ان سارے قضایا کی مشق کے واسطے بس دین ہی رہ گیا ہے۔ افسوس! افسوس!

یہ حضرات غور فرمائیں کہ کیا کبھی جاہ وعزت کی طلب کے لئے کوئی بڑا سفر انگلستان وغیرہ کی طرف کرنے میں یا کسی دربار میں رسائی کی کوشش کرنے میں یا کسی حاکم اعلیٰ کی خوشنودی وتقرب کی امید میں مالی خرچ یا بار گوارا نہیں کیا جاتا؟ تو کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے؟ کہ خدا کی رضا وقرب و عنایت کی اتنی بھی وقعت نہیں ہے؟ وما قدروا اللہ حق قدرہ۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جتنا اس کی قدر کا حق تھا۔ (۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حفظ قرآن سے قوت حافظہ بڑھتی ہے اور علوم معاشیہ میں کام دیتی ہے

یہ حضرات غور فرمائیں کہ حفظ کرنے میں اگر اعتدال کے ساتھ مشقت ہو تو اس میں دماغ کا زیادہ کام نہیں، زیادہ کام ذہانت کا ہے، جیسا کہ ایک ڈاکٹر نے بھی بیان کیا، البتہ کسی قدر اشتراک قوت حافظہ کا ہے۔ جو کہ قوی دماغیہ سے ہے۔ سو حکماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ کہ جس قوۃ سے اعتدال کے ساتھ کام لیا جائے، تو وہ اس کی ریاضت ہے، اور اس ریاضت سے اس قوت میں ترقی ہوتی ہے۔ سو اس بناء پر تو ''حفظ قرآن'' سے قوت حافظہ بڑھے گی جو آگے علوم معاشیہ میں کام دے گی، اور اس حافظہ کے بڑھ جانے سے دوسرے علوم میں دوسرا شخص جو کام چھ ماہ میں کر سکتا ہے، یہ شخص اتنا کام چار ماہ میں کر سکے گا۔ سو حفظ قرآن میں اتنی مدت بھی صرف نہ ہوگی۔ جتنی کفایت آگے نکل آئے گی۔ البتہ جس کو حفظ سے مناسبت ہی نہ ہو اس کا ذکر نہیں ہے۔ ایسے شخص کے لئے حفظ کرانے کا ہم بھی مشورہ نہیں دیتے۔

یہ عذر تو سب سے زیادہ عجیب ہے کہ قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہے کہ کیا یہ حضرات، خدا کو مافی الضمیر پر حاضر و ناظر اعتقاد اور خیال کر کے اس پر قسم کھا سکتے ہیں؟ کہ بچوں کو قرآن پڑھانے کی رائے اس نیت پر مبنی ہے کہ قرآن کی بے حرمتی نہ ہو کیا خدا سے بھی اپنے اس مخفی حیلے کو چھپا سکتے ہیں؟ اگر یہ نیت تھی تو اچھی معاش و عقل آنے کے بعد کتنے صاحبوں نے تحصیل قرآن کی طرف توجہ کی؟ بہر حال اس گروہ کی حالت پہلے گروہ سے زیادہ خطرناک ہے۔ اور پڑھنے کا اہتمام نہ کرنا دونوں میں مشترک ہے۔ کوتاہی کے اس عمل سے بھی بچنا چاہیے۔

دوسری کوتاہی تو یہ ہوتی ہے کہ بہت لوگ پڑھتے ہیں، مگر پڑھ کر پھر اس کا نام تک نہیں لیتے بلکہ ان میں جو حافظ ہیں وہ فخر کرتے ہیں کہ ہم نے سال بھر تک کھول کر بھی نہیں دیکھا باوجود اس کے ہم نے رمضان میں سنا دیا۔ اس ناواقفی کی بھی کوئی حد ہے؟ کہ جو بات عیب کی تھی اس کو ہنر سمجھ کر اس پر فخر کیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس چیز کا انسان ارادہ کر لیتا ہے کسی نہ کسی صورت میں اس کو کر ہی لیتا ہے

ان صاحبوں کو سمجھنا چاہئے کہ مقصود پڑھنے سے تو یہ تھا کہ ہمیشہ اس کی تلاوت سے برکات حاصل کی جائیں، جب یہ نہ ہوا تو پڑھا نہ پڑھا برابر ہو گیا۔ پھر تجربہ سے معلوم ہوا ہے اور ایک حدیث میں بھی یہ ہی مضمون آیا ہے کہ قرآن مجید نہ پڑھنے سے اس سے ایسی بے مناسبتی ہو جاتی ہے کہ پھر دیکھ کر بھی نہیں پڑھا جاتا۔ یہ تو ناظرہ خواں کے بھولنے کی حد ہے اور حافظ نہ پڑھ سکے، صحیح یہ ہی ہے اور نسیان قرآن پر حدیثوں میں وعید شدید آئی ہے، پھر یہ کہ اتنے دنوں کی، کی کرائی محنت جو کہ پڑھنے میں برداشت کی تھی، اس کے ضائع کر دینے کو دل کیسے گوارا کرتا ہے؟ دوام تلاوت میں بعض لوگ کم فرصتی کا عذر کرتے ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ جس چیز کا انسان ارادہ کر لیتا ہے کسی نہ کسی صورت میں اس کو کر ہی لیتا ہے، خاص کر جبکہ کام بھی آسان ہو۔ کیا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے کہ ۲۴ گھنٹے میں سے آدھا گھنٹہ کہ مجموعہ روز و شب کے ساتھ ۴۸/ا کی نسبت رکھتا ہے، نکال کر اس میں اگر ناظرہ خواں ہے تو ایک پارہ اور اگر حافظ ہے تو ایک یا ڈیڑھ پارہ بے تکلف پڑھ لیا کرے اتفاقاً ناغہ ہو جانا دوسری بات ہے اس سے زیادہ وقت تو فضولیات و خرافات میں صرف ہو جاتا ہے، جس میں نہ نفع دین نہ نفع دنیا۔

تیسری کوتاہی یہ ہے کہ بعض دواماً بھی پڑھتے ہیں مگر اس کی تصحیح کی طرف اصلاً توجہ نہیں فرماتے نہ مخارج کی خبر، نہ صفات کا اہتمام ہوتا ہے۔ کوئی صاحب ''ض'' کو صاف مخرج ''ظ'' سے ادا کرتے ہیں اور کوئی صاحب مخرج ''ذ'' سے ث۔ س۔ ص میں ان کے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں، الف کے موقع پر نرا فتح پڑھنا اور فتح کی جگہ الف ملا دینا، بعض کی عادت ہو گئی ہے۔ نہ بے موقع وقف کر دینے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سے بعض مواقع پر معنی میں فساد ہو جاتا ہے۔ اگر سانس ٹوٹنے سے اس کی طرف مضطر ہو، تو ایسا کرے کہ جس لفظ پر وقف کیا ہے، اس کا پھر آگے بڑھنے میں اعادہ کرے۔ البتہ وصل سے ایسا فساد لازم نہیں آتا۔

اہل علم کی کوتاہیاں

نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے! کہ اس کوتاہی میں اہل علم کا نمبر غیر اہل علم سے کچھ بڑھا ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔حتی کہ ایک صاحب سورہ ناس میں ''من الجنۃ والناس'' کو اس طرح پڑھتے ہیں۔ ''مــن الجـنـات والـنـس'' پھر بعضے ان میں مساجد کے امام ہوتے ہیں۔اس وقت اس غلطی کا اثر دوسروں تک بھی دوطوح سے پہنچتا ہے:ایک یہ کہ اگر کوئی مقتدی صحیح خواں ہو،تو ان کی نماز ان امام صاحب کے پیچھے نہیں ہوتی اور چوں کہ غلط خواں کا حکم صحیح خواں کی نسبت امی کا سا ہے بہ نسبت قاری کے،اس لئے اس خاص صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نہ امام کی نماز ہوتی ہے نہ دوسرے مقتدیوں کی،پس کتنی بڑی تباہی کی بات ہے؟

دوسرے اس طور سے یہ کہ امام صاحب اگر زمرہ اہل علم ہوئے،تو علماء کو عوام میں سخت بے وقعتی ہوتی ہے،جس کا اثر ایک گونہ علماء کے اتباع واقتداء تک بھی سرایت کر سکتا ہے ہر چند کہ تجوید کے وجوب کے متعلق کلام طویل و مقتضی تفصیل ہے مگر اتنی قدر میں کسی کو کلام نہیں کہ جس قسم کی غلطیوں کا ذکر اوپر ہوا ہے ان کی تصحیح واجب علی العین ہے جب تک کہ عدم قدرت و عدم مساعدت لسان متیقن نہ ہو جائے۔جس کی موٹی دلیل یہ ہے کہ بدون اس قدر تصحیح کے قرآن کی عربیت باقی نہیں رہتی اور عربیت بدلالت خصوص لوازم قرآن سے ہے۔پس اس کے نہ رہنے سے قرآن نہ رہے گا۔پس اس کی ضرورت میں کیسے اشتباہ ہوسکتا ہے؟

اس میں قرآن کی یا عربی کی کیا تخصیص ہے؟ ہر زبان کی صحت اس کے خاص طرز ادا پر موقوف ہے، مثلاً لفظ ''پنکھا'' اور رنگ میں اخفا ہے اگر نون میں اظہار کیا جاوے یقیناً لفظ غلط ہو جاوے گا۔اور لفظ ''کھدبا'' اور ''دنبہ'' میں قلاب ہے،اگر یہ نہ ہو تو یقیناً لفظ غلط ہو جائے گا۔مگر بات یہ ہے کہ قلوب میں ادراک نہیں رہا۔نعماء آخرت کی رغبت،نعماء دنیا کے برابر نہیں رہی ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ (۴) ہم اللہ تعالٰی ہی کا مال ہیں،اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

تصحیح قرآن صرف دو ہفتہ میں ہوسکتی ہے

کل حروف اٹھائیس ہیں،ان میں بعض تو قریب قریب صحیح نکلتے ہیں۔ان کو مستثنیٰ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے جن میں اہتمام کی حاجت ہے، تقریباً ایک ربع یعنی سات ہیں، جیسے ث۔ ح۔ د۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ اور جو بالکل دیہاتی ہیں، ان کے لئے اتنے ہی اور ہیں جیسے خ۔ ز۔ ش۔ ع۔ غ۔ ف۔ ق۔ اگر کسی ماہر کو تلاش کر کے ایک گھنٹہ روزانہ مشق کے لئے نکالا جائے تو روزانہ ایک حرف کی ضروری مشق ہوسکتی ہے جس میں ایک ہفتہ اور دیہاتی کے لئے دو ہفتہ کافی ہیں۔ اگر احتیاطاً اس سے دونی مدت لی جائے، تو آدھا مہینہ اور ایک مہینہ صرف ہوتا ہے تو کیا دین کی اتنی بڑی ضرورت کے لئے اپنی اتنی بڑی عمر میں سے اتنا حصہ بھی نہیں دے سکتے ہو؟ کتنا بڑا غضب اور ستم ہے؟

اسی طرح فتح اور الف کی مقدار کا فرق، اگر ایک پارہ میں اس کی درستی ہو جائے تو تمام قرآن یکساں ہی تمام کے لئے کافی ہے۔ اگر ایک رکوع روزانہ درست کر لیا جائے، تو یہ کام بھی پندرہ بیس روز سے زیادہ کا نہیں ہے۔ پھر بقیہ قرآن بھی ہے۔ تھوڑا تھوڑا کر کے کسی ماہر کو سنا دینا، جو متفرق اوقات میں نہایت سہل ہے زیادہ اطمینان اور احتیاط کی بات ہے۔

بعض لوگوں کو ماہر قرآءت میسر نہ آنے کا بہانہ ہوتا ہے، لیکن اول تو اتنی تھوڑی مہارت رکھنے والے اکثر جگہ ایک دو پائے جاتے ہیں اور اگر بالفرض کوئی میسر نہیں تو چند آدمی مل کر کسی ماہر کو بلا کر رکھ سکتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جہاں کوئی طبیب نہیں رہا۔ بستی والوں نے چندہ کر کے تنخواہ دار طبیب کو رکھا ہے۔ پس فرق وہی ضرورت اور عدم ضرورت کے اعتقاد یا استحضار کا اعتقاد ہے۔ یا بستی میں سے دو چار ہونہار شخصوں کو سفر میں بھیج کر ماہر بنوا سکتے ہیں۔

حق تعالیٰ کے عموم کلام میں یہ صورت بھی داخل ہے: ﴿فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهو افى الدين﴾ (۵) سو کیوں نہ نکلا؟ ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں) بلکہ اگر باہر سے کسی ماہر کو بلا کر رکھا جائے یا بستی میں سے کسی کو باہر بھیج کر ماہر بنوایا جائے تو اس میں ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا، اور ایسا ہونا بھی چاہئے کہ بچے جس وقت قرآن پڑھیں، پڑھنے کے ساتھ ہی تصحیح کا اہتمام رہے یعنی اس میں زیادہ تکلیف ہے کہ غلط یاد کر کے پھر تصحیح کی جائے اگر ابتداء ہی سے صحیح پڑھایا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام مقرر کرنے کے آداب

جب کسی کو مسجد میں امام مقرر کریں تو کسی ماہر کو اس کی متعدد مختلف سورتیں سنوا دی جاویں۔ اگر وہ صحت کی تصدیق نہ کرے تو کسی ماہر کو تلاش کریں۔

کیسی ظلم کی بات ہے؟ کہ ہر دنیوی کام کے لئے ذی ہنر اور ذی لیاقت آدمی ڈھونڈا جاتا ہے حتی کہ لوہار۔ معمار۔ نجار۔ بلکہ گانے بجانے والا تک بھی، اور خدا کے روبرو جو سب کی طرف سے وکیل بن کر کھڑا ہوتا ہے وہ چھانٹ کر ایسا رکھا جاتا ہے جس میں نہ کمال نہ جمال، تمام محلہ میں جو ناکارہ، اندھا، چندھا، فاتر الحواس، گنوار، بدتمیز، جاہل ہو غرض جو کسی مصرف کا نہ رہے، اس کو امامت کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے۔ ﴿انا لله وانا الیه راجعون﴾ ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

مشائخ اور اہل مدارس کے لئے دستور العمل

اہل مدارس اس کا التزام رکھیں کہ جو طالب علم ان کے مدرسہ میں داخل ہونا چاہیں ان سے قرآن پڑھنے کا بھی امتحان لیں، جن مدارس میں گنجائش ہے ان کو ایک مدرس تجوید کا مدرسہ میں رکھنا ضروری ہے۔ اس طریقہ سے یہ فن عام ہوسکتا ہے۔

اسی طرح مشائخ کو چاہئے کہ اپنے مریدوں کو، خصوصی خلفاء کو صحت قرآن پر مجبور کریں۔ کیا ظاہر یا باطن کا مقتدا بنایا جائے؟ اور بچوں سے بھی کم ہو، کیا یہ معیوب نہیں؟

تجوید میں افراط و تفریط

چوتھی کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ تصحیح و تجوید کو بھی ضروری سمجھتے ہیں کوشش نہیں کرتے، لوگ ض۔ ظ میں الجھنے والے دیکھے جاتے ہیں۔ صرف لہجہ کا نام قراءت سمجھ کر اسی کا اہتمام کرتے ہیں۔ یا تو خود کوئی طبعی لہجہ اختراع کرتے ہیں اور یا کسی مشاق کی نقل اتار لیتے ہیں اور اتار چڑھاؤ صحت وزن میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ بعضے ضروریات یا مستحسنات قرآۃ بھی فوت ہو جاتے ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی حرف گھٹا بڑھا دیتے ہیں، غنہ یا مد حذف کر دیتے ہیں تا کہ وزن ٹھیک رہے۔

سو اس کی نسبت سرکار نبوی ﷺ کا ارشاد ہے۔ اقراء والقرآن بلحون العرب واصوتھا وایاکم ولحون اھل العشق واھل الکتابین۔ (تم قرآن شریف کو عربوں کے طریقے اور ان کے لہجے میں پڑھو عاشقوں اور اہل کتاب کے طریقوں سے بچو)

یعنی ایسے لحن سے منع فرمایا ہے اور اس کو لحون عرب سمجھنا خطاء عظیم ہے۔ جیسا کہ شراح حدیث نے تصریح کی ہے بلکہ یہ لحن اہل عشق واہل کتاب میں داخل ہے جس سے منع فرمایا ہے اور اگر یہ لحن عرب ہوگا تو لحن اہل عشق کون ہوگا؟ بعض لوگ لہجہ کا اہتمام تجوید میں تفریط، بعض لوگ خوش لہجگی کے ایسے مخالف ہیں کہ اس کا اہتمام بلیغ کرتے ہیں کہ تحسین فوت نہ ہونے پائے اور کسی کو ذرا تحسین صوت کرتا دیکھتے ہیں تو اس پر گانے کا طعن کرتے ہیں اور یہ تجوید میں افراط ہے۔

حسن صوت اور گانے کا فرق

زینوا القرآن باصواتکم اور نحوہ حدیث قولی (قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عرض پر کہ لو علمت انک تستمع قرانی لحبرتہ تحبیراً او نحوہ اگر میں جانتا کہ آپ میری قرآۃ سن رہے ہیں تو میں اس کو اور سنوارتا) آپ کا انکار نہ فرمانا حدیث تقریری اس تحسین صوت بالقصد کی مشروعیت ومطلوبیت میں نص صریح ہیں۔ اس میں اور گانے میں فرق ظاہر ہے یعنی گانے میں تو لہجہ مقصود اور دوسرے قواعد تابع ہیں۔ اگر لہجہ کے بنانے میں قواعد رہ جاویں تو پروا نہیں کی جاتی اور تحسین صوت میں قواعد مقصود اور حسن صوت تابع ہے یعنی اگر قواعد کو محفوظ رکھ کر خوش آوازی ہو سکے تو اس کی رعایت کی جاتی ہے ورنہ اس کی پرواہ نہیں کی جاتی اور بلا مقصد اگر کسی شخص کی قراۃ کا کوئی جز کسی قاعد موسیقی پر بھی طبیعت کے تناسب یا موزونیت کی وجہ سے منطبق ہو جاوے تب بھی وہ گانے میں داخل نہیں، جیسا کہ خود قرآن مجید میں شعریت کی جابجا نفی کی گئی ہے، مگر بعض عبارات یقیناً اوزان شعر پر منطبق ہیں۔

جیسے ﴿ثم اقررتم وانتم تشھدون ثم انتم ھؤلا تقتلون﴾ (٦) پھر تم نے اقرار کرلیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اورتم جانتے ہو، پھرتم وہ لوگ ہو کہ ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں) فاعلاتن فاعلاتن فاعلات پر منطبق ہے مگر باوجود انطباق، ہرگز اس کے پڑھنے والے کا شعر کا پڑھنے والا نہ کیا جائے گا۔

البتہ اگر بقصد تطبیق پڑھے گا شعر پڑھنے والا، اور قرآن میں ایسا کرنے سے ناجائز فعل کا ارتکاب کرنے والے کہا جائے گا۔ بس یہی حالت لہجہ کی بالقصد تطبیق کی ہے۔ غرض اس چوتھی کوتاہی کی دو جانبین ہیں۔ تفریط، افراط، دونوں سے بچنا یہ وہ ہے جس کو لحون عرب و اصواتہا (عربوں کا طریقہ اوران کی آوازیں) فرمایا گیا ہے۔

تلاوت قرآن لوگوں کی خوشنودی کے لئے

پانچویں کوتاہی یہ ہے کہ بعضے تجوید پر قدرت حاصل کر لیتے ہیں، مجالس یا حالت امامت میں جب پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے اس پر عمل بھی کرتے ہیں مگر خلوت میں تلاوت یا حالت انفراد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اس وقت اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تصحیح سے غرض مخلوق کی خوشنودی تھی نہ کہ خالق کی۔

کیا کسی خارشی کو محض نسخہ کے یاد کر لینے سے اچھا ہوتا ہوا بھی دیکھا ہے؟ یا اس کے استعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے؟ بالخصوص سری نمازوں میں تو غنہ اور مدو اظہار و اخفاء کا تو کیا ذکر ہے؟ غالباً بلکہ یقیناً مخارج وصفات حروف پر بھی نظر نہیں ہوتی جو کہ لوازم حروف سے ہیں اور وہ نہیں تو حروف نہیں اور جب حروف نہیں، جو کہ بسائط ہیں تو قرآن کی عبارت نہیں جو کہ مرکب تھی، اور جب عبارت نہیں تو قرات نہیں، تو نماز کہاں؟ فلیتد بروا ولیتذ کروا (بار بار غور وفکر کریں) اور یوں ابتلاء عام کو پیش نظر رکھ کر اس پر فتویٰ نہ دینا یہ دوسری بات ہے مگر ترک واجب کے گناہ سے بچنے کے لئے بھی عموم بلوی کافی ہوسکتا ہے۔

معانی قرآن پر غور وفکر سے غفلت

چھٹی کوتاہی یہ ہے کہ قرآن کے معنی جاننے کی رغبت بہت کم پائی جاتی ہے، بلکہ قریب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قریب نہ ہونے کے ہے، سخت افسوس کی بات ہے! کہ جو اصل مدار ہے اسلام کا، جو منبع ہے تمام دینی علوم کا، جو اساس ہے دارین کی فلاح کا..........!! شاید بعض طالب علم ناز کرتے ہوں کہ ہم کو تو شوق تھا ہم نے تفسیر پڑھی سو کہنا تو اور بات ہے۔ اور انصاف سے کہنا اور بات ہے۔

انصاف سے غور کریں اگر تفسیر، درس میں داخل نہ ہوتی، کیا اس وقت بھی پڑھتے؟ چنانچہ جو کتاب تفسیر کی درس میں داخل ہے۔ اس سے زیادہ بھی کوئی پڑھتا ہے؟ بلکہ اس سے بھی مختصر کر دینے پر نظر ہوتی ہے۔ اگر آخر سال میں پانچ پارے جلالین کے رہ جائیں تو کیا آئندہ سال یا پھر کسی موقع پر اس کو پڑھتے ہیں؟ یا مر مار کر جلالین ہی ختم کر لی، تو کیا تمام ضروری مضامین پر اس سے عبور ہو گیا؟

کیا مدارک یا بیضاوی میں کوئی مضمون جلالین سے زائد نہیں ہے، پھر اس کو کوئی پڑھتا ہے؟ میں سچ کہتا ہوں، اگر جلالین بھی درس میں نہ ہوتی تو اس کو کوئی بھی نہیں پڑھتا، اور جلالین بھی پڑھی تو کیا پڑھی؟ اس کو ختم کر کے اتنی استعداد بھی تو نہ ہوئی، کہ اگر بدون جلالین کے خالی غیر مترجم قرآن ان کے ہاتھ میں دے دیا جائے، کہ ایک رکوع کا ترجمہ اور ضروری حل کر دو، تو اسی کو حل کر سکیں؟ ہرگز نہ کر سکیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کے معنی مقصود، بلکہ جلالین مقصود تھی۔ پھر کیا اس کو شوق و رغبت قرآن کہا جا سکتا ہے؟

تدریس قرآن کا طریقہ

اہل مدارس طرز تعلیم میں کچھ ترمیم کریں، جیسے بعضی متون بدون شرح کے پڑھائی جاتی ہیں۔ اسی طرح جلالین سے پہلے قرآن مجید بھی بدون کسی خاص تفسیر کے زبانی حل کے ساتھ پڑھایا جایا کرے۔

یا تو پورا قرآن پہلے پڑھا دیا جائے یا ایسا کریں کہ مثلاً ربع پارہ اول خالی قرآن میں پڑھا دیا پھر اسی قدر جلالین پڑھائیں اور مدرس اپنی سہولت کے لئے خواہ جلالین پاس رکھیں یا اور کوئی مبسوط تفسیر، تا کہ طلباء کو اسی طرح پڑھنے، اسی طرح یاد کرنے کی اور مطالعہ کر کے حل کرنے کی عادت پڑ جائے۔ پس اس جزو کا بہت آسانی سے تدارک ہو جاوے گا۔ چوں کہ جلالین میں جمیع فنون تفسیر مذکور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں، اس لئے کم از کم ''اتقان'' کو ضرور داخل درس کیا جاوے۔

بغیر کسی استاذ کے مطالعہ قرآن

ساتویں کوتاہی ان کی ہے، جن کو معانی قرآن سے کسی درجہ میں رغبت ہے۔ مگر کوتاہی یہ ہے کہ وہ بغیر کسی استاذ سے یہ فن حاصل کئے یا دوسرے علوم عالیہ و درسیہ پڑھے اردو کا کوئی ترجمہ یا تفسیر خرید کر (گو مصنف کا معتبر ہونا بھی محقق نہ ہو یا اس میں احتیاط ہی کرلی ہو) خود اس کا مطالعہ شروع کردیتے ہیں۔ پھر ان میں بھی دو قسم کی جماعت ہیں۔ ایک معتقد علماء کی۔ دوسرے کچھ انگریزی پڑھ کر یا انگریزی خوانوں کے پاس رہ کر خود اجتہاد کا دعویٰ کرنے والے دونوں میں مشترک خرابی تو یہ ہے کہ اس حالت میں فہم معانی میں بکثرت غلطیاں رہ جاتی ہیں چنانچہ اس پر واقعات کثیرہ شاہد ہیں اور راز اس میں یہ ہے کہ (۱) اول تو ایک زبان جب دوسری زبان میں ترجمہ ہو کر آتی ہے۔ ضرور بعض مفہومات اصلی رنگ پر نہیں رہتے۔

(۲) دوسرے بہت سے مقامات میں خود اجمال ہے، جو بدون تفصیل کے وجوہ متعدد کو محتمل ہوتا ہے، بعض وجوہ کی تعیین بلا دلیل کرلی جاتی ہیں، جس طرح قانون کی کوئی کتاب اردو کے بڑے فاضل کو دی جائے اور وہ اس کو بیان کردے مگر قانون دان اس کو سن کر غلطیاں نکال دے گا۔

(۳) تیسرے یقیناً فہم قرآن میں بعض دوسرے فنون نقلیہ و عقلیہ کی حاجت ہے، جو شخص ان سے بے خبر ہے وہ قطعاً غلطی میں پڑے گا۔

دوسری جماعت میں بالخصوص یہ خرابی ہے کہ ان کی غلطی پر بھی اگر کوئی مطلع کرے تو وہ اپنے کو اس بتلانے والے سے افضل اور عاقل سمجھ کر اس کی نہیں سنتے اور عقیدے میں یا عمل میں اس غلطی پر جم جاتے ہیں۔ پھر بعض اوقات بناء فاسد علی الفاسد کے طریق پر دوسرے اور فاسد کو اس پر متفرع کرلیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فہم قرآن کا صحیح طریقہ

ان دونوں یعنی چھٹی اور ساتویں کوتاہی کی اصلاح یہ ہے کہ اگر کسی قدر علم یا صحبت علماء کی برکت سے فہم مع حرف شناسی حاصل ہو۔ تب تو کسی محقق عالم سے کوئی ترجمہ یا مختصر یا متوسط تفسیر دریافت کر کے ان ہی عالم سے سبقاً سبقاً تمام قرآن کا ترجمہ بالتفسیر خوب سمجھ کر ختم کر لیں اور بعض مقامات جو باوجود سمجھانے کے سمجھ میں نہ آویں، یا کچھ شبہ رہے، اس کے درپے نہ ہوں، بس زبانی مقصد اس عالم سے دریافت کر کے اس پر اعتقاد رکھ کر تفتیش چھوڑ دیں۔ اور ایسے مقامات پر نشان بنا دیں۔ پھر جب تلاوت کریں تو تھوڑا سا مطالعہ اس ترجمہ یا تفسیر کا بھی کریں۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس طرح معانی قرآن سے مناسبت بڑھ جائے گی کہ یاد اور فہم دونوں میں سہولت اور ترقی ہو گی اور اس میں سہولت اور ترقی ہونے سے طبعاً رغبت بڑھے گی، پھر دوام آسان ہو جائے گا۔ اور تدبر و عمل میں بھی جن کا ذکر آگے آتا ہے اس سے اعانت ہو گی۔ اور اگر اس قدر استعداد نہیں ہے تو پھر اس کے معانی پر مطلع ہونے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ چند اشخاص مل کر، اگر کوئی عالم بلا تنخواہ میسر ہو جاویں تو فبہا، ورنہ تنخواہ پر رکھ کر ان سے استدعا کریں کہ روزانہ یا چوتھے پانچویں روز معین وقت پر ایک یا نصف رکوع کا خلاصہ، مطلب، عام فہم زبان میں بطور وعظ فرما دیا کریں۔ اسی طرح قرآن کو ختم کر لیں۔ اگر ہمت ہو تو پھر دورہ شروع کر دیں اور جو شبہ پیدا ہو، اس کو زبانی پوچھیں جو سمجھ نہ آئے اس کو چھوڑ دیں اور حکم شرعی پوچھ کر اس پر کاربند رہیں۔

آٹھویں کوتاہی، جو الفاظ و معنی دونوں کے متعلق ہے، وہ یہ ہے...... کہ بعض لوگ الفاظ یا معانی کو کسب دنیا کا ذریعہ بناتے ہیں مثلاً

☆ بعض تراویح اجرت پر سناتے ہیں۔
☆ بعض مردوں پر پڑھ کر اجرت لیتے ہیں۔ یہ طلب مال تھا۔
☆ بعض تعریف کرانے کی غرض سے مجالس میں یا امام بن کر پڑھتے ہیں، یہ طلب جاہ ہے، اور یہ سب الفاظ کے ذریعہ سے ہے۔
☆ بعض واعظ کہہ کر نذرانہ لیتے ہیں۔ بلکہ پہلے ہی نرخ طے کر لیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ بعض شہرت کے لئے وعظ کہتے ہیں۔ یہ معانی کے ذریعہ مال یا جاہ کی تحصیل ہے۔

مسئلہ منصوصہ واجماعیہ ہے کہ عبادت پر اجرت لینا اور اسی طرح کاریاء کرنا معصیت ہے البتہ الفاظ میں تعلیم پر اجرت لینا بقول مفتی بہ جائز ہے۔ اسی طرح معانی میں اگر وعظ کا نوکر ہی ہو اس وقت تنخواہ لینا یہ بھی مستثنیٰ ہے۔ بعض کتب فقیہہ میں جو مذکور (واعظ) کو تنخواہ لینے کی اجازت لکھی ہے۔ اس کا محمل یہی ہے ورنہ مجتہدین کے کلیہ سے غیر مجتہدین کا کسی جزئیہ کا استثناء کرنا غیر معتبر ہے۔

اس کی اصلاح میری رائے میں دو ہیں: ایک یہ کہ ایسے لوگوں کو کوئی دنیا کا کام بھی سکھلایا جائے تاکہ وہ مضطر ہو کر دین کو ذریعہ معاش نہ بنائیں۔ اور اس کے لئے سہل صورت یہ ہے کہ امراء چندہ کر کے جابجا صنعت وحرفت کے مدرسے کھلوادیں اور بچپن ہی سے سب کو کوئی نہ کوئی دستکاری ضروری سکھلائی جائے۔

دوسری یہ کہ جو کسی وجہ سے یہ نہ سیکھیں یا سیکھنے سے معذور ہوں اور خدمت دین ہی کے لئے فارغ ہوں تو بلا تعیین لوگوں کو اتنی خدمت کرنی چاہئے کہ ان کی ضروری حاجات تو پوری ہوتی رہیں تاکہ ان کی نیت بگڑنے نہ پائے۔

قرآن اور لغویات

بعض جاہل حفاظ کو دیکھا جاتا ہے کہ امتحان کے طور پر پوچھا کرتے ہیں، کہ بتلاؤ کہ الحمد میں شیطان کا نام کتنی جگہ آیا ہے؟ پھر خود افادہ فرماتے ہیں کہ سات جگہ، دلل ، ہرب، کنس، کنع۔

اسی طرح سات گنوادیتے ہیں۔ بھلے مانسوں نے دلل کو ترکیب دی ہے۔ الحمد اللہ کے آخر اور اللہ کے اول سے اور ہرب کو للہ کے آخر اور رب العالمین کے اول سے اور کنع کو ایاک کے آخر اور نعبد کے اول سے اور کنس کو ایاک کے آخر اور نستعین کے اول سے،......

اس کے لغو ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ یہ امر قیاسی تو ہے نہیں، نقل کی ضرورت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس ان سے تصحیح نقل کا مطالبہ کافی ہے۔

بچپن میں ایک حافظ صاحب سے سنا تھا کہ بتلاؤ لکوبل کہاں آیا ہے؟ پھر فرمایا من قبلک وبالاخرۃ الخ

ایک صاحب نے فرمایا تھا، کہ قرآن میں ایک جگہ ادھر اللہ ادھر اللہ، بیچ میں اونٹنی کا بچہ، یعنی اس آیت میں فقال لھم رسول اللہ ناقۃ اللہ (سورۃ الشمس/۱۳) پھر کہا ان کو اللہ کے رسول نے، خبردار رہو! اللہ کی اونٹنی سے۔ اور بہت سی ایسی خرافات گڑھ رکھی ہیں۔ یہ تصرف فی الالفاظ ہے۔

بعض معانی میں تصرف فاسد کرتے ہیں بعض لوگ شہرت یا تجارت کے لئے قرآن مجید کا ترجمہ یا تفسیر محض اپنی رائے سے یا اہل زمانہ کے مذاق کے اتباع سے لکھ کر شائع کرتے ہیں اس زمانہ میں اس کا فساد برپا ہے، ائمہ فن نے تصریح کردی ہے کہ جب تک فنون عربیہ وعلوم شرعیہ میں جن کی تعداد چودہ پندرہ تک پہنچی ہے طاقت ومہارت نہ ہو تو تفسیر میں کلام کرنا حرام ہے۔ کیا اہل تحقیق کے تراجم وتفاسیر کافی نہیں ہیں؟

فی طلعۃ الشمس ما یغنیک عن زحل

سورج کے ہوتے ہوئے زحل کی کیا ضرورت ہے؟

آداب تلاوت میں کوتاہیاں

نویں کوتاہی یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت اس کے آداب کا لحاظ نہیں کیا جاتا، نہایت بے دلی سے، بے رغبتی سے، بے عظمتی سے تلاوت کی جاتی ہے، رمضان میں تو بعض حفاظ ایسا پڑھتے ہیں کہ قرآن کے حقوق بھی فوت ہوتے ہیں اور مقتدیوں کے حقوق بھی!

بعض نے تلاوت میں ایک اور طریقہ اختراع کیا ہے کہ ایک قاری نے ایک آیت پڑھی دوسرے نے دوسری بلکہ کبھی ایک آیت کا ایک ٹکڑا پڑھا اور دوسرے نے پورا کیا، بعض دفعہ سب مل کر گلا ملا کر پڑھتے ہیں اور اگر ایک کی سانس لینے سے دوسرا آگے بڑھ گیا تو وہ پھر درمیان کے اجزاء چھوڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر شریک ہو جاتا ہے۔

یہ سب ظاہر ہے کہ ادب قرآن کا ضائع کرنا ہے اور اس میں تغنی مذموم و قطع کلمات اور اختلال نظم یہ مفاسد علیحدہ رہیں۔

تلاوت کے آداب بہت ہیں مگر اہم بات یہ ہے:

☆ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے، وضو کر کے قبلہ رو ہو کر بیٹھے، اگر سہل ہو، ورنہ جیسے موقع ہو خشوع کے ساتھ بیٹھے۔

☆ یہ تصور کرے کہ حق تعالیٰ مجھ کو فرمائش کرتے ہیں کہ ہم کو پڑھ کر سناؤ۔

☆ یہ تصور کرے کہ اگر کوئی مخلوق مجھ سے ایسی فرمائشیں کرتی تو میں کیسا پڑھتا؟ تو خدا تعالیٰ کی فرمائش کی تو زیادہ رعایت چاہیئے اور اس کے بعد تلاوت شروع کرے۔

اور جب یہ تصور ضعیف ہو جائے تلاوت بند کرے، اسی مراقبہ کو پھر تازہ کرے، البتہ اگر تکثیر تلاوت مقصود ہو اور اتنی مہلت نہ ہو کہ مقید ہو کر بیٹھ سکے تو ان آداب میں تخفیف ہو سکتی ہے۔ مگر تجوید بقدر واجب میں تخفیف ممکن نہیں۔

عمل سے غفلت

دسویں کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ نزول سے مقصود اعظم ہے، اور قرآن کا سب سے بڑا حق ہے۔ یعنی عمل، اس کا کچھ بھی اہتمام نہیں کرتے چونکہ اس کے اعتقاد کی ضرورت میں کسی کو کلام نہیں عمل کرنے میں ان سب علوم کو دخل ہے جن کا صحیح و حجت ہونا خود قرآن نے بتلایا ہے یعنی حدیث وفقہ و کا علم و فرائض و تصوف، جو سلف کے خلاف نہ ہو۔

بعض لوگ قرآن کا اتنا ہی حق سمجھتے ہیں کہ اس کی قسم کھالی، بیمار کو اس کی ہوا دے دی، اس سے فال نکال لی، بچہ کا نام نکال لیا، چوری کے شبہ میں لوٹے پر "یسین" پڑھ کر اس کو گھما دیا، کوئی مر گیا دو چار ختم پڑھوا دیئے، یا کہیں کہیں دستور ہے کہ ایک قرآن کے عوض میت کے سارے گناہ فروخت کر ڈالے یا تعویذ بنا کر بازو پر باندھ لیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افسوس! کیا رسول اللہ ﷺ پر تیئس سال تک اس کا نزول اور مخالفین کی اذیت پر تحمل بس ان ہی مقاصد کے لئے تھا؟ یہ دس کوتاہیاں ہیں جو بطور نمونہ کے بیان کی گئیں کسی میں ایک ہے، کسی میں متعدد، کسی میں مجموع۔

الفاظ و معنی کے آداب میں کوتاہیاں

وہ گیارہوں کوتاہی یہ ہے کہ قرآن الفاظ یا معنی کا ادب بھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ جہری نماز میں ''قراۃ امام'' کی طرف توجہ نہیں کی جاتی حالانکہ ''امر فاستمعو الہ'' (۷) یعنی تو اس کی طرف کان لگائے رہو داخل نماز کے وجوب کے لئے کہا گیا ہے، عام زندگی میں حکم ہے ''لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی'' (سورۃ الحجرات/۱) یعنی بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے۔

بعض حفاظ تراویح میں دوسری جگہ جا کر پڑھنے والوں کو کبھی کھٹکھٹا کر، کبھی کھنکھار کر، کبھی غلط بتلا کر پریشان کرتے ہیں، کیا قرآن مجید سننے کا یہی ادب ہے؟

اور اسی طرح یہ بھی ادب کے خلاف ہے وعظ کے وقت بعضے آدمی آپس میں باتیں کیا کرتے ہیں۔

حالاں کہ ''آیۃ واذا قری القرآن'' اور جب قرآن پڑھا جائے سے اور آیۃ فمالھم عن التذکرۃ معرضین (۸) پھر کیا ہوا ان کو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں سے، یہ حرام ہے۔

غرض یہ سب اور ان جیسی کوتاہیاں ان سب کا تدارک کرنا ضروری ہے۔ جیسا ہم مضمون کے درمیان میں ہر ایک کے تدارک کا نہایت آسان طریقہ بھی بتلاتے آئے ہیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ قیامت میں کہیں ہماری وہی حکایت نہ ہو۔ ''وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذ واھذا القرآن مھجوراً۔'' (۹) اور کہا رسول نے اے میرے رب! میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک) پھر اس وقت کی حالت دیکھ کر یہ کہنا پڑے:

نعوذ باللہ من غضب رسول اللہ یعنی ہم اللہ سے اللہ کے غضب سے اور اللہ کے رسول کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غضب سے پناہ پکڑتے ہیں مگر اس وقت شرمندگی نفع نہ دے گی اس وجہ سے کہ ندامت ایک عمل ہے اور وہ دار الجزاء ہے نہ کہ دار العمل۔

بچوں کے لئے قرآن سے نام نکلوانا ادب کے خلاف ہے

(۱) بعض کی عادت ہے کہ بچہ کا نام رکھنے کے لئے قرآن مجید میں کسی خاص طریقہ سے جو خود ان کا مقرر کیا ہوا یا ان کے کسی معتقد فیہ سے (عام اس سے کہ اس اعتقاد کا مبنی صحیح ہو یا غلط) منقول ہوتا ہے غور کرتے ہیں تو اتفاق سے اس موقع پر کوئی نام لکھا ہوا مل گیا تو وہ، ورنہ کوئی حرف جو شروع سطر وغیرہ میں مل گیا لے کر اس حرف سے جو نام شروع ہو وہ نام متعین کر دیتے ہیں۔

بعضے اس نام نکلوائی پر کچھ نذرانہ بھی وصول کرتے ہیں۔ اور جہلاء یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ حضرتؒ نے بڑی توجہ سے علم غیب کا راز منگا دیا ہے ان کی خدمت لازمی ہو گئی ہے۔

قرآن مجید جس غرض کے لئے نازل ہوا ہے اس کی تصریح خود کلام مقدس میں ہے۔﴿کتاب انزلناہ الیک مبارک لید بروا آیاتہ ولیتذ کر اولو الالباب﴾(۱۰) یعنی (برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے تاکہ دھیان کریں لوگ اس کی باتوں پر اور تاکہ سمجھیں عقل والے)

جس کا حاصل دین کا علم و عمل ہے، اور اگر اس پر کوئی شخص کاربند ہو اور برکت کے لئے اپنی کسی مباح غرض میں بھی اس سے کچھ اقتباس کر لے تو مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ اس میں کسی حد شرعی سے تجاوز نہ ہو، لیکن قرآن مجید سے ان اغراض میں ایسے طور پر کام لینا کہ گویا قرآن اسی کام کا رہ گیا ہے۔ جس کا قرینہ اور علامت یہ ہے کہ اس کے علم اور اس پر عمل کی طرف کبھی توجہ نہ کی جائے مگر ایسے موقعوں پر قرآن یاد آئے کیا یہ ظلم وضع الشی فی غیر محلہ (بیجا استعمال) نہیں ہے؟ پھر اس پر اور مزید اگر یہ سمجھا جائے کہ اس بچہ کا یہ نام ہونا بمفہوم قرآنی ہے۔ کیا یہ افتراء علی اللہ نہیں ہے؟ خاص کر وہ دوسری صورت کہ اگر حرف "خ" نکل آیا تو خدا بخش نام کو قرآن مجید کی طرف منسوب کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افتراء در افتراء ہے......!! پھر اس پر کچھ وصول کر لینا کریلا اور نیم چڑھا کی مثال کا مصداق ہے۔ کیا یہ اشتراء دنیا بالقرآن کی اقبح الافراد نہیں ہے؟

اگر نام سے برکت کا مقصود ہے اول تو قرآن کے ایسے مطالعہ پر موقوف نہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام کے نام پر، نام رکھ دو، اور ''اسماء حسنیٰ الٰہیہ'' میں سے کسی نام کے ساتھ عبد لگا کر رکھ دو، بالخصوص عبداللہ و عبدالرحمان کی بالتعیین ترجیح وارد ہے، اور اگر قرآن سے بھی اس نام کا تلبیس مقصود ہے تو کسی عالم محقق سے رجوع کیجئے۔ وہ قرآن کے کسی مضمون یا کسی لفظ کی مناسبت کے نام رکھ دے۔

اس قسم کی خرابیاں ان بندگان زر نے پھیلائی ہیں جو عوام کی نظر میں کوئی دینی امتیاز رکھتے ہیں۔ مثلاً خود مکر و فریب سے پیر بن گئے ہیں، ایسے امور کی نسبت حضرت عارف شیرازی کا ارشاد ہے۔

دام تزویر مکن چوں دیگراں قرآن را قرآن کو دوسروں کی طرح جھوٹ کا پھندہ نہ بناؤ۔

قرآن سے فال نکالنا

بعضے کسی مقصد مباح یا غیر مباح میں اوفق بالمصلحہ پہلو کی تعیین کے لئے اور بعضے اس سے بڑھ کر کسی گذشتہ واقعہ کے معلوم کرنے کے لئے قرآن مجید میں فال دیکھتے ہیں اس کے کسی مضمون سے اپنے مطلب کے مناسب کوئی بات نکال لیتے ہیں، اور اس کی صحت کے معتقد ہوتے ہیں۔

افسوس! یہ آفت نیم علم لوگوں میں ہے، کیوں کہ بے علم آدمی مضمون ہی کو نہیں سمجھے گا جو ماخذ ہے ''فال'' کا بخلاف امر اول کے نام لکھا ہوا دیکھ لینا، یا کسی حرف کا کوئی نام سوچ لینا یہ تو عامی بھی کر سکتا ہے۔

بہر حال یہ کام وہ کرے گا جو اول قرآن کو الٹا سیدھا کچھ سمجھے اس لئے ان لوگوں پر زیادہ افسوس ہے، اور اس ناتمام علم سے اس کو ''استخارہ'' پر قیاس کیا جاتا ہے جب مقیس علیہ ثابت ہو مقیس بھی جائز!

بعض فال دیکھنے والوں کا یہ اعتقاد ہوتا ہے، کہ گویا خدائے تعالیٰ نے قرآن سے یہ خبر دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی ہے، تو اب اس میں تبدیلی ممکن نہیں اور نہایت جرات سے کہتے ہیں کہ واہ صاحب! کیا قرآن میں غلط لکھا ہے؟

بلکہ اس اعتقاد کے ساتھ کہ قرآن مجید میں اس واقعہ کے متعلق یہ خبر نکلی ہے۔ قرآن مجید میں تحریف معنوی لازم آتی ہے کیوں کہ ظاہر بات ہے کہ قرآن کی تفسیر دوسری ہے جس میں یہ واقعہ ہرگز داخل نہیں اور اگر کسی پڑھے لکھے کو یہ شبہ ہو کہ قرآن مجید میں تمام علوم ہیں جیسا کہ کسی بزرگ کا قول ہے۔ جميع العلم في القران لكن: تقاصر عنه افهام الرجال تمام علم قرآن میں ہے لیکن لوگوں کی: عقلیں اس کو سمجھنے سے عاجز ہیں۔

سو یہ واقعہ بھی اس میں ضرور ہے، چنانچہ بعض اہل کشف نے قرآن مجید سے قیامت تک کی پیشن گوئیاں کی ہیں، اور وہ صحیح بھی ہوئی ہیں، سو جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام علوم کے ہونے کے یہ معنی ہی مسلم نہیں کہ علم ''کونیات'' کو بھی عام ہے بلکہ وہ علم شرعیات ہے کہ قرآن اس کے تمام اصول پر حاوی ہے مگر وجہ دلالت وطریق استنباط، بعض علوم میں غامض ہے، کہ بعضے علماء بھی نہیں سمجھ سکتے، اس لئے دوسرے علوم کی حاجت واقع ہوئی۔

رہا بعض عرفاء کا کچھ ''کونیات'' کو مستنبط کرنا تو وہ از قبیل تفسیر نہیں ہے، جیسا اہل فال کا اعتقاد ہے، بلکہ از قبیل تعبیر ہے کہ اصول اس کے خود دقیق ہیں، جو اہل فال کے خواب میں بھی نہیں آئے، اور باوجود اس تمام دقت کے پھر وہ ظنی ہیں، کیوں کہ وہ خود اصول ہی کشفی ہیں، جن کی ظنی ہونے پر اہل حق کا اتفاق اور ان کے کلام میں اس کی تصریح ہے، پھر اس فال دیکھنے والے کو بزرگوں کے اس قول وعمل سے انتفاع کا کیا حق رہا؟

فال اور استخارہ کا فرق؟

مثلاً اس کا استخارہ کو فال پر قیاس کرنا کہ محض قیاس باطل ہے استخارہ دلیل شرعی سے ثابت ہے، فال نہیں۔ دوسرے یہ کہ خود مقیس علیہ بھی واقعات گذشتہ کی تحقیق کے لئے نہیں، مثلاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی کے یہاں چوری ہو جائے، تو استخارہ اس غرض کے لئے نہ جائز، اور نہ مفید کہ چور معلوم ہو جائے
۔

استخارے کے ساتھ اعتقادِ باطل کا ہونا

کسی بادشاہ کا موتیوں کا ہار گم ہو گیا تھا، اس نے دیوان حافظ میں فال دیکھی، رات کا وقت تھا، چراغ ایک کنیز کے ہاتھ میں تھا، یہ مصرع نکلا ۔

''چہ دلا ور ست دزدی کہ بکف چراغ دارد''

یعنی چور کتنا بہادر ہے، جس کے ہاتھ میں چراغ ہے

بس بادشاہ نے فوراً اسی کنیز کو پکڑ لیا، اور تلاشی لینے سے اس کے پاس سے برآمد ہوا۔اول تو ان قصوں کی کوئی سند صحیح نہیں، ثانیاً اگر ایسا واقعہ ہوا ہو تو اتفاق پر محمول ہوگا، کیوں کہ ثبوت کی کوئی دلیل نہیں، اور اگر تجربہ سے ملازمت پر استدلال کیا جائے، تو ہم بطور معاوضہ کہتے ہیں، کہ اگر ایسا ہوا ہے تو بیس بار اس کے خلاف ہوا کہ فال میں کچھ نکلا اور واقعہ کچھ اور تھا، تو تجربہ یعنی تکرار مشاہدہ سے ملازمت ثابت ہوئی یا عدم ملازمت؟

غرض فال واقعہ گذشتہ کے علم کے لئے نہ مفید اور نا جائز ہے۔اور اگر کوئی استخارہ کو اس غرض کے لئے سمجھے ہوئے ہے تو وہ اپنی غلط خیال کی اصلاح کرے۔

اور یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح اس سے واقعہ گذشتہ نہیں معلوم ہوتا، اسی طرح واقعہ آئندہ بھی کہ فلاں بات یوں ہوگی، معلوم نہیں کی جاسکتی۔

بس استخارہ کا صرف اتنا اثر ہے کہ جس کام میں تردد ہو، کہ یوں کرنا بہتر ہے؟ یا یوں؟ یا یہ کہ، کرنا بہتر ہے؟ یا نہ کرنا؟ تو اس عمل مسنون سے دو اثر ہوتے ہیں۔قلب کا کسی ایک پہلو پر ٹھہر جانا۔اور اس مصلحت کے اسباب میسر ہو جانا(بلکہ خواب نظر آنا بھی ضروری نہیں۔)

اور بعض بزرگان دین سے جو بعضے ''استخارے'' اس قسم کے منقول ہیں جس سے واقعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صراحۃ یا اشارۃ خواب میں نظر آ جائے، سو وہ استخارہ نہیں ہے، بلکہ خواب نظر آنے کا عمل ہے۔ پھر یہ اثر بھی اس کا لازم نہیں، خواب کبھی نظر آتا ہے، کبھی نہیں۔

اور خواب بھی اگر نظر آیا تو وہ محتاج تعبیر ہے، اگرچہ صراحت سے نظر آئے۔ پھر تعبیر بھی جو کچھ ہوگی وہ ظنی ہے یقینی نہیں، اس میں اتنے شبہات تو ہوتے ہیں پس اس کو استخارہ کہنا یا مجاز ہے اگر ان بزرگوں سے یہ تسمیہ منقول ہو، ورنہ اغلاط عامہ سے ہے۔

اسی لئے محققین ایسے امور، اپنے خاص ہی لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ ان کے قلوب بھی منور ہوتے ہیں اور عقائد بھی مطہر ہوتے ہیں، طہارت عقیدہ کی بدولت غلو فی الدین (دین میں حد سے زیادہ بڑھنا) سے محفوظ ہوتے ہیں، اور نورانیت قلب کے سبب ان کا انکشاف راجح الصدق ہوتا ہے جو حقیقت ہے ظن کی، ورنہ عوام پر تو اضغاث احلام (پراگندہ خواب) ہی غالب ہوتے ہیں مثلاً ایسی فال وغیرہ کی بنا اور اعتماد پر کسی مسلمان سے بدگمان ہو جانا اور کسی قول یا فعل یا خیال غیر مشروع کا مرتکب ہو جانا یہ خاص خرابیاں اس عمل فال میں ہیں اور یہی حکم ہے عارفین کے کلام سے فال لینے کا غرض یہ عمل مروج طریقہ پر بالیقین مذموم ہے۔

اگر کسی طالب علم کو یہ وسوسہ ہو کہ اس تقریر سے تو فال کا محض بے اصل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں صاف موجود ہے۔ بعضے معتبر بزرگوں سے قرآن یا کلام عرفاء سے تفاول لینا منقول ہے۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ منشاء اس شبہ کا اشتراک لفظی ہے، ایک شریعت کی اصطلاح ہے وہ ثابت اور ایک غلاط کی اصطلاح ہے وہ غیر ثابت۔

قرآن مجید سے عملیات کرنا اور ناجائز اغراض

(۳) بعضے قرآن مجید کو ناجائز اغراض کے حصول کے لئے بطور عملیات برتتے ہیں، یہ تو عملی تقصیر ہے اور پھر غضب یہ کہ اس کو برا نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ صاحب ہم کوئی "سفلی عمل" تو نہیں کرتے قرآن کی آیتیں پڑھتے ہیں۔ یہ عملی یعنی اعتقادی تقصیر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اول تو اگر جائز ہی اغراض میں عملیات کے طور پر مگر غلو کے ساتھ برتے، یعنی نہ علم سے غرض رکھے نہ عمل سے، جب قرآن کی یہ آیتیں ڈھونڈھی جاویں تو اسی غرض سے کہ اس سے دنیا کا فلاں کام ہو جاتا ہے اور اس سے فلاں مطلب نکلتا ہے، جیسے بعض امراء کے گھر میں اسی غرض سے رکھا رہتا ہے کہ

☆ جب کوئی بیمار ہو گیا، اس کو قرآن کی ہوا دے دی ایک مصحف نہایت خفی قلمی یا مطبوع تعویذ بنا ہوا رکھا رہتا ہے، جب کوئی بیمار ہوا گلے میں ڈال دیا۔ ومثل ذالک اس کا بھی اس تقریر سے جو نمبر اول میں مذکور ہے غیر پسندیدہ ہونا ثابت ہے اور اگر وہ اغراض بھی ناجائز ہوں جیسے (۱) یسین پڑھ کر چور کا نام نکالنا۔ (۲) ناجائز موقع پر محبت کی تدبیر، زوجین میں یا باہم اقارب میں تفریق کی یا بلا اذن شرعی مطلق دو شخصوں میں تفریق کی تدبیر کرنا۔ (۳) کسی کو ہلاک کر دینا۔ (۴) دست غیب کے ایسے عمل کرنا کہ روپے رکھے ہوئے مل جایا کریں۔ (۵) جنات کو تابع کر کے ان سے کام لینا، گو جائز ہی کام ہو اور ناجائز کا تو کیا پوچھنا؟ پس اگر ایسے ناجائز اغراض ہوں تو ناجائز کام کے قصد و اہتمام کا معمولی گناہ تو ہے ہی جو سب جانتے ہیں، یہاں وہ گناہ اسلئے اور بھی شدید ہو جائے گا کہ ''اس شخص نے کلام پاک کو ناپاک غرض کا آلہ بنایا''۔

پس اس کی ایسی مثال ہو گئی جیسے نعوذ باللہ کوئی قرآن کو بازاری عورت کی خرچی میں دے کر منہ کالا کیا کرے۔ کوئی مسلمان جس میں ذرا بھی دین کی عظمت ہو اس کو جائز سمجھ سکتا ہے؟

اور اگر ان اغراض کے ناجائز ہونے میں خفاء ہو، تو مفصلاً اہل فتوی سے تسلی کر لیجئے۔ مختصراً اتنا یہاں بھی لکھے دیتا ہوں کہ اول تو چور کا نام نکلنا اس عمل سے کچھ تعلق نہیں رکھتا)

پھر یہ کہ جو نام نکلتا ہے اس کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے جب چاہے آزما لیا جائے کہ ایک عامل سے ایک شخص کا نام نکل آیا، دوسرے کے عمل سے دوسرے شخص کا مگر جو شخص پہلے کو چور سمجھتا ہو وہ اس دوسرے عامل کے پاس سے اس وقت بالکل علیحدہ ہو جانا چاہئے، جب یہ ایسی بودی بنیاد ہے تو کسی شخص کو محض اس بنیاد پر چور سمجھ لینا یقیناً یا ظناً کہاں جائز ہو گا؟ پھر اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر تشدد کیا یا زبان سے اوروں کے روبرو اس کا نام لیا تو یہ گناہ اور بڑھنے شروع ہوئے۔

دست غیب سے آمدنی اور تسخیر جنات ناجائز ہے

دست غیب یا تسخیر جنات بغرض مباح میں شبہ ہو، تو سمجھ لیجئے کہ اس دست غیب میں یہ ہوتا ہے کہ جنات اس کام پر مسلط ہو جاتے ہیں کہ بعضے عمل میں تو وہی روپیہ جس کو خرچ کر چکا ہے وہ جہاں بھی ہو وہاں سے اٹھا لاتے ہیں اور بعض عمل میں دوسرا روپیہ جس جگہ سے ان کے ہاتھ آئے نکال لاتے ہیں۔

سو اس کی مثال ہے جیسے کوئی شخص خاص اس کام کے لئے آدمیوں کو نوکر رکھے، کہ چوری کر کے مجھ کو دیا کرو، اس نے یہی کام جنات سے لیا اور چوری کے ناجائز ہونے کا کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ اور اگر شبہ ہو کہ ممکن ہے کہ وہ جن اپنے پاس سے لے آتے ہوں تو چوری کہاں ہوئی؟ سو اول تو امکان سے دوسرے احتمالات کی نفی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے اگر اپنے ہی پاس سے لاویں، تب بھی ظاہر ہے کہ خوشی سے نہیں لاتے۔ ورنہ اوروں کو لا کر کیوں نہیں دیتے؟ محض جبر عمل سے لاتے ہیں، تو کسی کو مجبور کرنا کہ اپنا مال مجھ کو دے دو خود حرام ہے اس تقریر سے تسخیر جنات کا ناجائز ہونا سمجھ میں آ جائے گا۔

یعنی کسی آدمی سے جو نہ اس کا غلام شرعی ہو، نہ نوکر ہو، نہ اس کے زیر تربیت ہو، کوئی کام جبراً لیا جائے، گو وہ کام گناہ کا نہ ہو تو یہ ظلم اور تعدی ہے، اس عامل نے اسی طرح اس جن سے کام لیا ہے جو عمل سے مقہور ہو چکا ہے اور یہ وسوسہ تو نرا جاہلانہ ہے کہ اسماء وکلمات الٰہیہ سے عمل چلانا کیسے گناہ ہو گیا؟

دیکھیئے اگر کوئی شخص ''بڑا مجلد قرآن'' زور سے کسی کے سر میں اس طرح مار دے کہ وہ مر جائے تو کیا یہ قتل، اس وجہ سے کہ بواسطہ قرآن مقدس کے ہوا ہے، جائز ہو جائے گا؟ اور کیا عدالت اس پر دارو گیر نہ کرے گی؟ کہ اس نے تو قرآن سے مارا ہے، اس لئے مجرم نہیں، بس اسی سے اس کو بھی سمجھ لیجئے۔ البتہ اگر قرآن مجید کے علم واتباع کو اصلی کام سمجھ کر اس پر کاربند ہو اور کسی موقع پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی جائز کام کے لئے کوئی آیت پڑھ لکھ لے تو ناجائز نہیں۔

قرآن مجید کو کمائی کا ذریعہ بنانا

(۴) بعض لوگوں نے قرآن مجید کو کمائی کا ذریعہ بنا رکھا ہے، مختلف طور سے: بعض تو تراویح میں اجرت پر سناتے پھرتے ہیں، بعضے مردوں پر تیجے میں یا چالیسویں تک یا اس کے بعد بھی پڑھنے کا پیشہ کر لیتے ہیں، ان کا ناجائز ہونا علماء کے فتاوی میں طے ہو چکا ہے۔

بعض تو اور بھی غضب کرتے ہیں یعنی یہ بھی نہیں کہ صرف عقد اجارہ کے بعد ہی پڑھا کریں بلکہ پہلا جو پڑھا ہوا ہے اس کو کچھ لے کر بخشتے ہیں۔ یہ تو اچھا خاصہ مبادلہ اور بیع ہے، جو اس اجارہ سے بھی بڑھ کر ہے کہ اجارہ میں بعض افراد حیلہ چلاتے ہیں، گو چلتی نہیں، یہاں تو اس کی بھی گنجائش نہیں۔

بعض قرآن کے مطالب کے بیان، یعنی وعظ پر نذرانہ لیتے ہیں، اور فی نفسہ اس کے جائز و ناجائز ہونے میں تو سردست اس لئے کلام نہیں کرتا کہ اس میں طول ہے، لیکن جو ہیئت اس کی شائع ہے کہ اس کو پیشہ مستقل بنالیا ہے، اسی لئے سفر کرتے ہیں، زبان سے مانگتے ہیں۔ جس امر حق سے نذرانہ میں کمی آنے کا اندیشہ ہو اس کو بیان نہیں کرتے اور اس ''حرفہ'' میں سہولت دیکھ کر سینکڑوں جاہل واعظ بن کر خلق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں، کیا ان مفاسد پر نظر کر کے بھی اس کو جائز کہا جا سکتا ہے؟ البتہ تعلیم قرآن کی نوکری اور اسی طرح واعظ کی نوکری، اس میں، اگر اور کوئی خرابی نہ شامل ہو تو مضائقہ نہیں۔

قرآن میں تحریف

(۵) قرآن مجید کی آیات کو بعض اوقات غیر معنی مقصودہ میں نطقاً یا کتابتاً برتا جاتا ہے۔ مثلاً جنتری پر یہ آیت لکھ دی ''خلقنا الانسان فی احسن تقویم'' (۱۱) یعنی ہم نے بنایا آدمی خوب سے اندازے پر جس کا حاصل یہ دعویٰ ہے کہ ہماری جنتری ''احسن تقویم'' یعنی عمدہ جنتری ہے۔ یا کسی کتاب کی لوح پر کوئی آیت لکھ دی جس میں مطبع یا صاحب مطبع کے نام کے مناسب کوئی لفظ یا معنی ہوں یا کوئی شخص گزرا ہے ''باؤ'' یہ کہہ دیا کہ اس کی مذمت قرآن میں ہے باؤ ابغضب من اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۴) پھر اللہ کا غصہ لے کر یہ سب تحریف ہے جس سے توبہ واجب ہے، اور بعض اوقات اس میں بعضے اہل علم جن کو کسی دوسرے فن میں زیادہ عفو وانہماک ہوتا ہے مبتلا ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ احقر نے ایک معقولی کے کلام میں اس جملہ قرآنیہ ﴿ الالنعلم من یتبع ﴾ (البقرہ ۱۴۳) یعنی (مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا) کے مشہور اشکال کے جواب میں یہ توجیہہ دیکھی ہے کہ مراد یہاں ''علم تفصیل'' ہے۔ حالانکہ یہ کھلی تحریف ہے کیوں کہ اصطلاح معقول پر علم تفصیل عین معلومات ہے، تو اس کو علم کہنا محض اصطلاح ہے بطور اس کے علم کے ہوگیا ہے، سو وہ معنی مصدری نہیں ہے کہ اس سے ''نعلم'' کا اشتقاق ماننا صحیح ہو اور علم تفصیل جس سے ''نعلم'' مشتق ہوسکتا ہے، وہ معنی مصدری لغوی ہے اور اس کے معنی ہیں ''انکشاف جزئی جزئی کا'' سو وہ جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا اس کا مصداق ومنشاء انتزاع قدیم ہوگا اور اس کے مقابل جو اجمالی ہے اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔ اور جو علم اجمالی اہل معقول کی اصطلاح ہے وہ عین ذات ہے۔ سو ان اصطلاحوں کے خلط نے کس قدر خبط ہوگیا۔ اسی طرح ''صوفیہ کی تفسیر کو تفسیر سمجھنا ناجائز ہے۔ تحقیق اس کی احقر نے ''کلید مثنوی'' میں لکھی ہے۔

(۶) بعض لوگ قرآن کو بے وضو چھوتے ہیں یا لکھتے ہیں، اس میں کاپی نویس اور تعویذ لکھنے والے بہت مبتلا ہیں، اسی طرح ورق بردار اور پتھر جمانے والے یا پریس مین، ان سب کو باوضو رہنا چاہئے، ورنہ پاک کپڑے سے چھوئیں۔

(۷) بعض لوگ قرآن مجید کو پشت کی طرف یا اپنی نشست کی جگہ سے نیچے یا نیچی جگہ پر رکھ دیتے ہیں۔ یا قرآن کے اوپر کوئی کتاب یا قلم ودوات وغیرہ رکھ دیتے ہیں یا قرآن میں دوسرے کاغذات میں قرآن کے اوپر عینک وغیرہ رکھ دیتے ہیں، یہ سب خلاف ادب ہے۔ البتہ سفر میں اگر اسباب وصندوق وغیرہ میں مسطور ہوتو بمجبوری بعض آداب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس پر میلے کپڑے کا غلاف باوجود وسعت بدلنے کے ایک گونہ قلت ادب ہے، گو درجہ حرمت تک نہ سہی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۸) قرآن مجید جب ایسا بوسیدہ ہو جائے کہ اس سے انتفاع ممکن نہ ہو، تو اس کو پاک جگہ دفن کر دینا چاہیے، مگر اس پر مٹی نہ ڈالے بلکہ جس طرح مسلمان میت کی قبر میں تختے وغیرہ رکھ کر مٹی دیتے ہیں اسی طرح کرنا چاہئے۔ اگر قرآن ایسا غلط لکھا ہو کہ اصلاح دشوار ہو تو اس کو بھی دفن کر دینا چاہئے اس میں اکثر لوگ سستی کرتے ہیں وہ "دریدہ" ہو کر منتشر ہو جاتا ہے اور افسوس ہے! کہ وہ ردی میں جا کر دواؤں کی پڑیوں میں یا بچوں کے بعض کھلونوں میں استعمال کیا جاتا ہے ایسا کرنا ہم لوگوں کی کتنی بے غیرتی ہے......!!

(۹) جس روشنائی میں کوئی نجس چیز ملی ہو اس سے قرآن لکھنا یا جس کپڑے میں ایسا قوی شبہ ہو اس کا غلاف بنانا یا جس وارنش میں ایسی چیز ہو اس کو جلد پر ملنا یہ سب گناہ ہے۔

(۱۰) قرآن کی کتابت یا طباعت میں تصحیح کا اہتمام نہ کرنا یہ ایسی بلا کی بات ہے جس کا وبال جان پر رہے گا، جتنے لوگ پڑھیں گے اور جب تک (خواہ دو سو برس کیوں نہ ہوں) یہ مصاحف رہیں گے، اس کو اس گناہ کا حصہ ملتا رہے گا۔

حواشی و حوالہ جات

(۱)	مطففین. ۱۷	(۲)	ھود ۳۷
(۳)	سورۃ الانعام/۹۱	(۴)	بقرہ/۱۵۵
(۵)	التوبہ/۱۲۱	(۶)	البقرہ/۸۳
(۷)	سورۃ الاعراف ۲۰۳	(۸)	سورۃ المدثر/۴۹
(۹)	الفرقان ۲۹	(۱۰)	سورۃ ص/۳۸
(۱۱)	سورۃ التین/۲۰	(۱۲)	سورۃ البقر/۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکالمہ و اتحاد بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں

(امکانات، فوائد، تجاویز)

سیرت طیبہ، اسوۂ انبیاء علیہم السلام اور کتب مقدسہ کے تناظر میں

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ

© rasailojaraid.com